اورینٹل کالج میگزین

جلد (۱۸) - عدد (۲)

عدد مسلسل (۷۰)

بابت

فروری ۱۹۴۲ء

حصّہ اوّل

ایڈیٹر

مولوی محمد شفیع ایم۔ اے

مطبع کریمی لاہور میں باہتمام میر قدرت اللہ پرنٹر چھپا اور بابو این این مترا

نے

اورینٹل کالج لاہور سے شایع کیا

فہرستِ مضامین

اُردو کی شاخ
ہریانی زبان میں تالیفات

(۲)

اکرم رہتکی المتخلص بہ قطبی

ہندوستان میں شیخوں کی ایک قلیل التعداد اور غیر معروف جماعت ہے جو اپنے آپ کو بنی اسرائیل کہتی ہے۔ علیگڈھ۔ سنبھل۔ رہتک وغیرہ شہروں میں یہ لوگ آباد ہیں۔ بنی اسرائیل کی وجہ تسمیہ ہمیں معلوم نہیں لیکن یہ عقیدہ کہ بنی اسرائیل یہودی النسل ہیں یقیناً صحیح نہیں۔ قرین قیاس یہ ہے کہ ان کے اجداد میں کوئی بزرگ اسرائیل نامی گذرے ہیں اور انکی نسبت سے یہ قوم بنی اسرائیل کہلائی۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تغلقوں کے زمانہ میں یہ لوگ بیرون ہند سے آکر یہاں آباد ہوگئے مگر تاریخوں میں انکا تذکرہ عہد جلال الدین اکبر سے پیشتر نہیں ملتا۔ اسکے بعد سے البتہ خاص خاص موقعوں پر آتا ہے۔ بنی اسرائیل میں تعلیم و تعلم۔ علوم و فنون۔ تصوف و سلوک نیز خوشخطی کا چرچا کم و بیش ہر زمانہ میں رہا ہے۔ اور بعض اوقات نامی آدمی بھی ہوئے ہیں۔ طبقۂ علما میں ایک بزرگ شیخ سعداللہ بنی اسرائیل ہیں جو اکبر کے عہد سے تعلق رکھتے ہیں۔ عبدالقادر بدایونی نے اس عہد کے مشاہیر میں ان کا شمار کیا ہے وہ انہیں شیخ اسحٰق کاکو کا شاگرد بیان کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ شیخ نے اپنی عمر کا اکثر حصہ

درس و تدریس اور تقوی و طہارت میں بسر کیا لیکن جب شباب سے کہولت میں اور کہولت سے شیخوخت کی منزل میں قدم رکھتے ہیں اور ڈاڑھی سپید ہو چکتی ہے۔ ان میں ایک انقلاب آتا ہے اور کسی مطربہ پر عاشق ہو جاتے ہیں اور امور منہیہ کے مرتکب ہوکر رندانہ زندگی اختیار کر لیتے ہیں حتیٰ کہ شراب تک سے پرہیز نہیں کرتے۔ شیخ کے شاگردوں کو اس امر سے بہت صدمہ ہوا۔ جس طرح شیخ صنعان کے شاگردوں نے اپنے استاد کی اصلاح کی کوشش کی تھی یہ لوگ شیخ سعداللہ کی اصلاح میں مصروف ہو جاتے ہیں - اور نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ شاہی محتسب بھی ان کا شریک کار ہو جاتا ہے۔ بالآخر شیخ تائب ہوکر بدستور قدیم اپنے مشاغل علمی میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ شیخ سعداللہ صاحب کی تصانیف کثیر ہیں - امام غزالی کی جواہر القرآن پر ایک شرح جو ان کی تصنیف ہے ان ایام میں بہت مقبول تھی۔

بدایونی نے ان کا ایک اور واقعہ لکھا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل دراصل ہندو تھے وہ لکھتا ہے کہ ایک دن جلال الدین اکبر پادشاہ نے شیخ سعداللہ کو خلوت میں بلا کر پوچھا کہ شیخ تمہاری قومیت کیا ہے۔ شیخ نے جواب دیا کہ ہم جماعت نویسندہ سے تعلق رکھتے ہیں جنہیں ہندی زبان میں کایت کہتے ہیں۔ پادشاہ انکی صاف گوئی سے بہت محظوظ ہوا۔
بدایونی کے الفاظ ہیں :-

"چون خلیفۃ الزمانی اورا بہ خلوت طلبیدہ پرسیدہ اند کہ از کدام قومید گفتہ از نویسندہا کہ ایشانرا بزبان ہندی کایت می گویند۔ بادشاہ را این بے تکلفی بسیار خوش آمد و صحبتے ممتد داشتند" منتخب التواریخ صـ۲۹۶، نولکشور

اگر یہ بیان صحیح ہے تو ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل دراصل کایستہ ہیں۔

بنی اسرائیل میں مجھ کو تین کاتب معلوم ہیں - پہلے ابوالفتح بن شیخ محمد بنی اسرائیل ساکن کول جو سنہ ۱۰۱۹ھ میں دیوان حافظ کی کتابت کرتے ہیں۔ یہ نسخہ اب برٹش میوزیم کے

کتبخانہ میں ہے۔ ریو کی فہرست جلد دوم میں صـ۶۲۹ پر اسکا ذکر آتا ہے اور نمبر ایڈ ۵۹۹۰ ہے۔

ادیا بنی اسرائیل کولوی ایک اور کاتب ہے جو سترھویں صدی عیسوی میں گذرا ہے شاہنامہ کی پہلی جلد جو اس کے قلم سے نکلی ہے انڈیا آفس کے کتبخانہ میں موجود ہے۔ ایتھے نے اپنی فہرست میں کـ۴۲۹ پر بذیل ۸۶۲ اسکا ذکر کیا ہے۔

محمد شریف بنی اسرائیل موسوی ساکن بلدہ کول جلالی تیسرا کاتب ہے جسکے ہاتھ کی مواہب علیہ نوشتہ ۱۰۶۰ھ ریو کی فہرست مخطوطات فارسی جلد اول صـ۱۰ پر مندرج ہے۔

انشا نگاروں میں محمد امین بنی اسرائیل اپنی مجمع الانشا ۱۱۴۶ھ میں بفرمائش بدھ چند تدوین کیا ہے[1] نعمت اللہ بنی اسرائیل کی انشائے نعمت بھی انڈیا آفس میں محفوظ ہے[2]۔

آدم پر سر قصہ۔ شیخ اکرم رہتکی مصنف تیرہ ماسہ رہتک کے بنی اسرائیلیوں سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو شیخ زادہ بنی اسرائیل کہتا ہے چنانچہ تیرہ ماسہ کا یہ شعر ہے

بنی اسرائیل سب ہیں شیخ زادہ   رہیں رہتک شہر از بسکہ سادہ

ہم اکرم کے حالات زندگی سے بالکل ناواقف ہیں۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ اسکا تخلص قطبی ہے اور غالباً شیخ قطب الدین حبیب کا مرید ہے جو حضرت ابو صالح قطب کے تیسرے فرزند اور حضرت تمیش کی اولاد ہیں جنکا قصبہ ساڈھورا میں سجادہ ہے

قطبی بڑے نصیب ڈھولا گھر میں پایا   قطب الدین حبیب جن سے سنگ لگایا

ایک اور موقعہ پر لکھا ہے ؎

کیا پھر میں قطب کے پاس دوڑا   کہ جنکا ہے وطن حضرت ساڈھورا
ابو صالح قطب کے تیسرے پوت   تمیش اعظم حبیب کے اولاد او وہوت

۱۱۴۳ھ مطابق سنہ ۱۳ ج محمد شاہی میں اکرم نے تیرہ ماسا یا پریم قصہ بہ تتبع بارہ ماسہ محمد افضل نارنولی تصنیف کیا ہے کہتا ہے۔

پریم قصہ ہوا ہے آخر یارو   تیرہ ماسا بھی اس کے تاں بچارو

---

[1] ۱۱۲۰۔ فہرست مخطوطات فارسی انڈیا آفس صـ۲ [2] ۱۱۲۲ فہرست مخطوطات فارسی انڈیا آفس

بارہ ماسا ہوئے تھا اور سب کے — تیرہ ماسا ہوا جا کر قطب کے
بکٹ افسانہ کا ہے یہ تو بھیا — دونوں کے تال جنا ہے دوی میا
اوسیں افضل کہ جس کا نانو گوپال — کیا ہے نارنولی صاحب حال
اسے قطبی کہ اکرم کر ہے مشہور — زشعر و نظم ہر دو ہست معذور
ہزار و یکصد و چل ثلث دیگر — جو تھا تب سن ہجری مشک اذفر
محمد شاہ کی ہے بادشاہی — لگا ہے سن تیرہ از الہٰی

دو مرتبہ اسنے اپنی عمر اڑتیں سال کی طرف اشارہ کیا ہے

گنوائے سونچ اور غفلت ماں اٹھتیں — پھنسا در دام آن شیطان ابلیس

دیگر

جو سن اٹھتیویں ڈھولن ملاؤ — گویا سو لاکھ بندی کو چھوڑاؤ

تیرہ ماسہ یہ تتبع بارہ ماسہ قطبی کی ایجاد ہے - ان میں اسی قدر فرق ہے کہ بارہ ماسہ میں صرف بارہ مہینوں اور ان کے متعلقہ موسمی حالت کا بیان ہوتا ہے - تیرہ ماسہ میں لوند کا مہینہ بھی شامل کر لیا گیا ہے - باقی مراتب میں بارہ ماسہ اور تیرہ ماسہ بالکل ایک ہیں -

یہاں چند الفاظ بارہ ماسہ کے متعلق کہنے ضروری ہیں - نظم کی یہ قسم اسکی موجودہ حالت میں خالص ہندی پیداوار معلوم ہوتی ہے - اور ہندی جذبات کی حامل ہے - بارہ ماسہ در حقیقت ایک فراق نامہ یا سرگزشت ہجراں ہے - ہندی میں چونکہ عورت عاشق اور مرد محبوب مانا گیا ہے - اس لئے یہ سرگزشت اکثر عورت کی طرف سے بیان ہوتی ہے - وہ اپنے محبوب کی جدائی کا ایک ایک مہینہ الگ الگ گنتی ہے اور خصوصیات موسمی کے ذکر کیساتھ ساتھ اپنے جذبات عشق اور کیفیت قلبی کو با حسرت و یاس ایک دلگداز پیرایہ میں بیان کرتی ہے - [illegible] محبوب گھر نہیں ہے - سیاہ بادل آسمان پر محیط ہیں - پپیہا اسکو بار بار یاد دلاتا ہے - کوئل کی کوک سے دل میں ہوک سی اٹھتی ہے - اتنے میں مینہ برسنے لگتا

ہے - ادھر یہ فراق زدہ طوفان گریہ شروع کر دیتی ہے یا مثلاً آسوج کا مہینہ ہے - شہر میں دیوالی منانے کی تیاریاں ہر طرف ہو رہی ہیں - دیوالی کی شب آتی ہے - کوچہ و بازار میں چراغاں کا عالم ہے اور گھر گھر میں چراغ روشن ہیں لیکن یہ دکھیاری اپنے تاریک گھر میں سیج پر منہ لپیٹے پڑی ہے - اندھیرے میں دم گھٹتا ہے - کلیجہ منہ کو آتا ہے - گھبرا کر اٹھ بیٹھتی ہے الغرض اس طرح ہر مہینہ کے تمام موسمی لوازمات بیان ہوتے جاتے ہیں - ادھر ساتھ ساتھ قصۂ غم ہجراں بیان ہوتا رہتا ہے - جب مہینہ ختم ہوتا ہے اور دوسرا مہینہ لگتا ہے - نہایت حسرت کے ساتھ کہتی ہے لو یہ مہینہ بھی ختم ہوا اور محبوب گھر نہیں آیا - جب اسطرح سے پورے بارہ مہینوں کا بیان ہو چکتا ہے کسی بشارت - فال یا خواب کی تعبیر کی بنا پر سمجھ لیا جاتا ہے کہ اب وصال عنقریب ہونے والا ہے - یہ دکھیا اپنے گھر لوٹتی ہے اور دیکھتی ہے کہ محبوب فی الواقع گھر آ چکا ہے - دوڑ کر اسکے قدموں میں گر جاتی ہے - وہ گلے لگا لیتا ہے اور ایام جدائی ختم ہو جاتے ہیں -

بارہ ماسہ ہمیشہ نظم میں ہوتا ہے اور مختلف بندوں میں بحساب ماہ ہندی تقسیم ہوتا ہے - ایک ایک بند میں ایک ایک مہینہ کا مذکور آتا ہے - بند کے آخر میں دوہرہ اکثر لایا جاتا ہے - بعض وقت دوہرہ کے ساتھ فارسی شعر بھی ہوتا ہے - اگر دوہرہ نہیں ہے تو بند کے اوپر عنوان میں خالی مہینہ کا نام لکھ دیا جاتا ہے - سنسکرت میں بارہ ماسہ نہیں ملتا - اسکے ادبیات کا اکثر و بیشتر ذخیرہ دیسی زبانوں میں پایا جاتا ہے - جن میں برج - اودھی - پنجابی - ہریانی اور اردو قابل ذکر ہیں - فی زمانتا بارہ ماسہ متروک ہو چلا ہے - لیکن اب سے تیس سال پیشتر تک کافی مقبول تھا - بیشمار اہل قلم نے اس پر طبع آزمائی کی ہے - اور اٹھارھویں اور انیسویں صدی میں اسکا بیحد چرچا رہا ہے - صرف ناگری پرچارنی سبھا کی سالانہ فہرستوں سے ہمیں ذیل کے بارہ ماسہ نگاروں کے نام ملتے ہیں :-

(۱) مہاراجہ بلبھدر اسنگھ (ناگود) ۱۸۲۱ [illegible] (۲) اوماوت تاریخ نامعلوم

(۳) راجہ دیوی سنگھ سمت ۱۸۳۱ بکرمی (۴) کھیت سنگھ (۵) نرہری داس بخشی سمت ۱۹۲۲

(۶) بچن کنوری تاریخ نامعلوم (عورت) (۷) راجہ پرتھوی سنگھ۔

(۸) لال داس (۹) سندر (۱۰) محمد شاہ (۱۱) کبیر بھگت۔

(۱۲) جن گوپال قریب ۱۶۷۶ء (۱۳) جواہرای ۱۶۶۵ء ۲۲ ب (۱۴) خیرا شاہ

(۱۵) رسال ۱۸۲۹ء ۱۸۸۶ ب

پنجاب یونیورسٹی کے کتب خانہ میں :-

(۱۶) جموہناتند (۱۷) اسپیادا س (۱۸) بیساکھی مل (۱۹) گمن (۲۰) مرلی داس

(۲۱) سنت داس

پیرزادہ محمد حنیف کے پاس :-

(۲۲) مرزام (۲۳) بارہ ماسہ سنگرہ جس میں چار بارہ ماسے ہیں۔

(۲۴) از مسرور، تصنیف ۱۲۵۳ھ (۲۵) سردار خاں

میرے پاس حسب ذیل ہیں :-

(۲۶) عبدالوہاب (۲۷) مقصود (۲۸) خیرا شاہ (۲۹) بینی مادھو (۳۰) محمد افضل

(۳۱) اکرم ۱۲۳۳ھ (۳۲) کرپارام کا بیتھ بھٹناگر ساکن قصبہ نرولی سمت ۱۸۴۰

(۳۳) کبیر ۱۲۵۸ھ بفرمائش چیلا سید مراد

یہ شاید اتفاق ہے کہ اس فہرست میں وہی بارہ ماسے زیادہ قدیم ہیں جو مسلمانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ مگر ان سے قدیم وہ ہیں جو گرنتھ صاحب میں محفوظ ہیں۔ اگرچہ ان کی تاریخ معلوم نہیں ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بارہ ماسوں کا آغاز کس زمانہ سے ہوتا ہے۔ آیا وہ خالص ہندوانی ہیں اور قدیم سے ہیں۔ یا انکی ایجاد میں مسلمانی ہاتھ ہے۔ ہم اپنی موجودہ معلومات کی روشنی میں اسکا کوئی قطعی جواب نہیں دے سکتے۔ لیکن بارہ ماسہ کی ایک قدیم طرز ہمیں خواجہ مسعود سعد سلمان کے دیوان فارسی

میں ملتی ہے جو مروجہ حال بارہ ماسہ کی اصل مانی جاسکتی ہے۔ اگرچہ مضمون کے لحاظ سے مختلف ہے۔ خواجہ مسعود کے ہاں نہ صرف بارہ ماسا ہے بلکہ اس سے قریبی علاقہ رکھنے والی دو اور بھی چیزیں ہیں۔ مثلاً اول تو ان کے ہاں بارہ ماسہ ہے۔ جسے وہ غزلیات شہوریہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ شہوریہ بارہ فارسی مہینوں کے نام پر ہے۔ یعنے :-

فروردین - اردی بہشت - خورداد - تیر - مرداد - مہر - شہریور -
آبان - آذر - دے - بہمن - اسفندارمذ -

گویا ان بارہ مہینوں کے نام پر بارہ غزلیں ہیں جو مختلف وزن و ردیف و قافیہ میں ہیں ہر غزل میں سات سات شعر ہیں۔ مطلع میں التزاماً بارہ ماسہ کی طرح مہینہ کا نام آتا ہے بعد کے اشعار موسمی کیفیت اور شراب کے ذکر سے شروع ہوتے ہیں اور پادشاہ کی مدح و دعا پر ختم ہوتے ہیں۔ ہر غزل میں ابوالملوک ملک ارسلان ۵۰۹ھ و ۵۱۲ھ کا نام آتا ہے۔ ان غزلوں کی زبان نہایت سادہ اور سلیس ہے۔ اس شہوریہ سے میں ایک غزل جو ماہ اردی بہشت سے متعلق ہے۔ اس موقعہ پر نقل کرتا ہوں ؎

بہشت است گیتی ز اردی بہشت — حلال آمد ای مہ مے اندر بہشت
بشادی نشین و می لعل خواہ — کہ بے مے نشستن نہ زشت است زشت
بباغ و براغ و بکوہ و بدشت — ز فر گرانمایہ اردی بہشت
بخندید گلزار و بگریست ابر — بنالید مرغ و ببالید کشت
بہ کلہ یابی کہ رضوانش بافت — بہ حلہ بینی کہ حوراش رشت
تو گوئی کہ ملک ملک ارسلان — گل و عنبر و مشک در ہم سرشت
جہاندار شاہے کہ چرخ بلند — بملکش یکے عہد محکم نبشت

(دیوان، ۱۲۹۶ھ)

اس کے بعد خواجہ کے ہاں غزلیات ایامیہ فرس ہیں - چونکہ فارسی مہینہ کے تیس دنوں کے نام علٰحدہ علٰحدہ ہوتے ہیں یعنے اورمزد روز - بہمن روز - اردی بہشت روز - خورداد روز - مرداد روز وغیرہ اس لئے ہردن کے نام پر پانچ پانچ شعروں کی ایک ایک غزل ہے جو شاہ ارسلان مذکور کے نام پر ہے - خورداد روز کی غزل یہاں نقل کر دی جاتی ہے ۔

خورداد روز، داد نباشد کہ بامداد	از لہو و خرمی نستانی زبادہ داد
از بادہ چوی شادی و از بادہ باش خوش	بے بادہ این جہاں منا باد گیر باد
خاصہ کہ عدل شاہ جہاں چون بہشت کرد	درہای خرمی و بطر بر جہان کشاد
سلطان ابوالملوک ملک ارسلان کہ چرخ	گوید کہ تا بحشر ملک ارسلان زیاد
دایم عزیز باد کہ دین ہست ازو عزیز	از ملک شاد باد کزو ہست خلق شاد

تیسری قسم میں غزلیات اسبوعیہ یعنے ہفتہ واری غزلیں ہیں جو ہفتہ کے ہر ہر دن کے ساتھ منسوب ہیں - غزلوں کی تعداد سات اور ہر غزل کے پانچ پانچ بیت ہیں - یہاں شنبہ کی غزل مذکور ہے ۔

زحل والی شنبہ است ای نگار	مرا این چنین روز بے مے مدار
زحل تیرہ رای است و تاریک جرم	تو خیز و می لعل روشن بیار
کہ امروز گیتی ہمہ روشن است	ز اقبال و عدل شہ کامگار
ملک ارسلان پادشاہے کہ او	زمانہ فروز است و گیتی نگار
بہار و خزان باد روز و شبش	شبش روز باد و خزانش بہار

اس طرح خواجہ مسعود کے ہاں ہم دوازدہ ماہہ - سی روزہ اور ہفتہ واری نظموں سے دوچار ہوتے ہیں - ان صورت حالات میں اگر بارہ ماسہ کو مسلمانی ایجاد مانا جائے تو بجا ہے مگر ساتھ ہی یہ امر بھی قابل غور ہے کہ خواجہ مسعود ایرانی شاعر نہیں ہیں بلکہ ہندوستانی - لاہور

میں پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم و تربیت پائی اور پنجاب ہی میں مختلف مناصب پر سرفراز رہے انکی شاعری کا زمانہ ۴۶۹ھ کے قریب سے شروع ہوکر ۵۱۵ھ کے قریب ختم ہوتا ہے - ایران میں اس صنف نظم کا کہیں پتہ نہیں چلتا - اس لئے دو صورتیں ممکن ہیں - ایک تو یہ کہ خود خواجہ مسعود اس صنف نظم کے موجد ہیں - دوسری یہ کہ ان ایام میں اس قسم کی نظموں کا دیسی زبانوں میں رواج تھا جیسا کہ ہمارے زمانہ تک رہا ہے - اس صورت میں خواجہ مقلد ہیں اور بارہ ماسہ بیحد قدیم ہے - اردو زبان میں سب سے قدیم بارہ ماسہ محمد افضل کا ہے - جو یقیناً سترھویں صدی عیسوی میں لکھا گیا ہے - اس کے بعد قطبی کے تیرہ ماسہ کا نمبر ہے - جسکا یہاں تبصرہ کیا جاتا ہے ۔

اس کے نسخے نہایت کمیاب ہیں - مجھے صرف دو کا حال معلوم ہے - پہلا انڈیا آفس کے کتب خانہ میں محفوظ ہے اور فہرست مخطوطات میں بذیل ۹۳ شمارہ، میں درج ہے - ۱۲۵۲ھ میں عبد الکریم نے اسکی کتابت کی ہے ۔

دوسرا نسخہ میرے پاس ہے جسکو عنایت اللہ ولد حافظ امام بخش ۱۲۶۹ھ میں بمقام رہتک نقل کرتا ہے - تعداد صفحات بائیں اور ہر صفحہ میں تیرہ سطریں ہیں ۔

اس تیرہ ماسہ کو دیکھ کر معاً یہ خیال ہمارے دل میں آتا ہے - کہ ہریانی زبان فقہی و دینی معاملات کی تنگنا سے نکلکر مذاق عام کی شاہراہ پر قدمزن ہے - بارہ ماسہ وغیرہ قسم کی چیزیں عوام الناس میں بیحد مقبول ہوتی تھیں - لوگ انہیں زبانی یاد کرتے پڑھتے اور گاتے پھرتے تھے - گیت اور لاونی کے بعد انکا نمبر تھا ۔

قطبی کا تیرہ ماسہ نہایت سہل اور عام فہم زبان میں لکھا گیا ہے - اسکا وزن وہی ہے جو محمد افضل کے بارہ ماسہ کا ہے یعنے بحر ہزج مسدس محذوف و مقصور - اس کے داستانی اجزا نہایت روکھے پھیکے اور بد سلیقگی کے ساتھ بیان ہوئے ہیں - معلوم ہوتا ہے - کہ یہ کہانی اصل واقعات پر مبنی نہیں ہے بلکہ تخیل پر اسکا دارو مدار ہے - تیرہ ماسہ کا قصہ مختصراً [illegible]

کرشاعر ایک دن کسی تیرتھ یا اشنان کے مقام پر نہانے کے لئے جاتا ہے وہاں اسے ایک محبوب سرو اندام نظر آتا ہے۔ ناگنی زلفیں اسکے رخساروں پر کھیل رہی تھیں اور عنبریں دولائی اوڑھے تھا۔ یہ محبوب جو جنس لطیف سے تعلق رکھتا ہے انہیں دیکھ کر مسکراتا ہے۔ ان کے خرمن ہوش و خرد پر بجلی گرتی ہے اور بیہوش ہو جاتے ہیں۔ آجکل کا زمانہ بی اعتقادی کا زمانہ ہے۔ آپ لوگ کب ماننے لگے۔ اگر میں یہ کہوں کہ جناب شاعر تین یوم تک برابر بیہوش رہے مگر ان کا یہی بیان ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے ؎

رہا دن تین تک بیہوش و بیخود　　آٹھی پھر جسکے پیچھے سُرت اور سدہ

بیٹھا اوٹھ کر دیکھا احوال اپناں　　تجا سبکوں بھجا گوپال اپناں

اور ہمت کی کمر باندہ کر ہمارا مجنوں اپنی لیلیٰ کی تلاش میں نکلتا ہے۔ قصہ مختصر بعد خرابی بسیار ملاقات ہوئی وعدے وعید ہوے اور گھر لے آئے کئی سال تک نرد محبت کھیلتے رہے۔ آخر فلک مکار نے نیا پانسہ پھینکا۔ ان کا ایک رقیب بھی کہیں گھات میں تھا۔ یہ گھر سے باہر کسی کام گئے تھے وہ میدان خالی پاکر آ دھمکا اور ان کی لالن کو یہ پٹی پڑھائی کہ اے دیوانی تو کیا بھولی بیٹھی ہے۔ اسنے تو کسی اور محبوب سے بازی الفت لگالی ہے ؎

کہا محبوب سیں تیں کیا بھو لاناں　　تیں نے اسکا فکراب کچھ نجاناں

اونے ایک اور سیتی پیت جوڑی　　تری الفت جو اپنے دل سیں توڑی

لالن تھیں بھولی بھالی۔ غصہ اور حسد کی آگ نے اور بھی اندھا کر دیا تھا۔ رات کو موقعہ پاکر گھر سے چل دیں۔ جب یہ واپس آئے دیکھا کہ پنجرہ خالی ہے اور مینا اڑ چکی تھی۔ دوبارہ تلاش شروع ہوتی ہے۔ سب کچھ تج کر اور فقیر بنکر شہر شہر اور گانو گانو پھرتے ہیں۔ تیرتھوں اور زیارت گاہوں میں جاتے ہیں۔ دشت و صحرا کی خاک چھانتے ہیں۔ مگر محبوب گم گشتہ کا سراغ نہیں ملتا۔ آخر تلاش سے تھک کر میدان میں ایک جھونپڑی باندھکر اسمیں ... اور تصور یار میں محو رہنے لگے اتنے میں برسات شروع ہو گئی اور اساڑھ کا مہینہ

لگ گیا۔ یہاں سے تیرہ ماسہ شروع ہوتا ہے۔ میں یہاں اساڑھی بند نقل کرتا ہوں۔ یہ یاد رہے کہ ہر بند کی ابتدا میں عنوان کے طور پر دو دو شعر سورٹھا کے لائے گئے ہیں ؎

آیا ماس اساڑہ فوج سنگاری نیہہ کی　　کہیں کیجے ٹہادہ سرہ اپنیں نہ کریہہ کی

ڈھولا پھرے بدیس میں تنہا لاچار ہوں　　کہوسوں لٹ لٹ کیں قطبی آیا مار ہوں

چڑھے ہے دل بادلوں کے ماس آساڑہ　　میرا جیو ڈالیا اون بیریوں کا ڈھ

سبھوں پہلے اکر کویل کُکائی　　جو سوتی ٹاٹر ان سوکن جگائی

آئے پھر اندرا جا دسے نگارا　　پیا بن حال کیا ہوگا ہمارا

اچانک توپ کی جوں رعد گرجا　　کڑک اوٹھی جو سنکر جیو لرجا

ارے یہ رت کہاں سیں کمس آئی　　میری برہن کے دونی آگ لائی

ہوئی برسات ماں ٹھنڈک کرتجے　　میرے سینے لگے آتش کے نیچے

اودھر تو اندلے نالے چلائے　　ایدھر انکھیوں نے دو دریا بہائے

اودھر آساڑہ برسا دو نگرا کہن　　ایدھر جھڑ لائے یہ سیں نین نسدن

اودہر اندی گھٹا بادل چہوں اوڑ　　ایدھر باندھا میری نینوں نے گھنگھوڑ

عجب حالت بہئی بن پیئو پیاری　　کہوں کیسے جو آگے بہہ بتہاری

ایدہر آساڑہ بیری چڑہ کر آیا　　اودھر ڈھولن نے گھر پردیس چھایا

کوئی جاکر کہے پیو سیں کہانیں　　بچھوڑے کی نہیں ہے بات سیانیں

جو کن دوتی نے جاکر ووت لایا　　میرے تیرے بھتر تو ناں چھلایا

ارے بہہ دودہ کانجی کن رلائی　　ہتھیلی بیچ سرسوں یوں جمائی

نجانوں کس طرح اب ہوئے میلا　　لگی تھی کس گھڑی اور کون بیلا

ارے قطبی کہاں تک ہوئے زاری　　سیٹنا نہیں تماہی غمخواری

جو بے پرواہ سیں یہہ پریت لاگی　　لگن ایسی لگی جو سب سیں بھاگی

سمجھتا ان سمجھ یوں ہو گیا پیُو — اندیشے ماں چلاب جات ہے جیوُ
کیا بیری لوگوں کا پیُو نے ہانسا — پہنایا ہنس گلیمں پریم (کذا) پھانسا
نہ آئے آپ ناں پتیاں پٹھائی — نہ دو باتاں زبانی کہہ بھجائی
ارے آخر ہوا آساڑھ سارا — ملانا نہیں اجھوں تک پریم پیارا

اساڑہ کے بعد دوسرا مہینہ ساون ہے اور ساون کے بعد ایک اور ساون ہے جو لوند کا مہینہ ہے ۔ اسطرح جیٹھ تیرھواں مہینہ ہو جاتا ہے اور اسی بنا پر نظم کا نام تیرہ ماسہ رکھا گیا ہے ۔ ہمارا شاعر تیرتھوں تیرتھوں پھرتا قطب کے پاس جسکا وطن ساڈھورا ہے جاتا ہے ۔ قطب صاحب کا نام قطب الدین حبیب ہے ۔ قطب صاحب بشارت دیتے ہیں کہ تم اپنے گھر جاؤ اور وہیں محبوبہ سے ملاقات ہوگی ۔ گھر پہونچتے پہونچتے بیساکھ ختم اور جیٹھ لگ جاتا ہے ۔ گھر میں داخل ہوتے ہی ہمارا عاشق سودائی اپنی محبوبہ کو سیج پر بیٹھا دیکھتا ہے ۔ نہال ہو جاتا ہے ۔ دوڑ کر اپنی آنکھیں اس کے قدموں سے ملتا ہے اور چیخ چیخ کر روتا ہے ۔ محبوبہ گلے سے لگا لیتی ہے ۔ مدت کے بچھڑے مل جاتے ہیں اور اجڑا گھر پھر آباد ہو جاتا ہے ۔

بیساکھ کے بند میں شاعر نے مجاز کو حقیقت کا رنگ دیا ہے ۔ میں وہ بھی نقل کئے دیتا ہوں ؎

آے گئے بیساکھ بیٹھے جوس نگھہ ہیں — جر بر ہو گئی راکھ میرے بجاویں لاکھ ہیں
ہو گئے بارہ ماس اجھوں نہ ظالم باہرے — دیہی رہا نہ ماس پیو کی ہوئی نہ سا ہرے
ارے بیساکھ من موہن کہاں رے — گئے ہیں کیا کوئی برلامکاں رے
اگر برلامکاں ہیں گے تو کیا ہے — مجھے اس پاس بھی جاناں بھیا ہے
اگرچہ مجھکوں قوت نا رہی ہے — برہ نے توڑ کر دیہی دہی ہے
کروں کیا بن دیکھیں مکھ کوں جو مرجانو — نہیں دو جگ ماں مجھکوں پھر کہیں ٹھانو

جیسے یوسف کی بڑھیا ہو خریدار — ہوئی مشہور انٹی لے لنیں تار
خریداروں ماں اون نے نانو پایا — ہیں عاشق ہو کر آپا ہی گلایا
زلیخا کی ترنہہ پوری کہائی — ہوا مجنوں تب لیلیٰ جو پائی
چلواب جیوڑے ڈھونڈہیں ووللا — بناں ڈھونڈھن نپائے پی پیارا
اگر السعی منی خواندہ تو — ز محنت پس چرا درماندۂ تو
پھروں چھوں دیس کر جوگن کا بھیسا — پاوں جے عاقبت تیرا ہی ویسا
کرو تم نحن اقرب کو صحی رے — وہی ہے سب جگاں حاضر وہی رے
ارے لوگو تمامی جگ میں جو ہا — مجھے باول پنے سیں تھا بچھو ہا
میرا دلدار تھا میرے ہی گھر ماتہہ — جنیہا ایک بات کے اوٹھے تھا پنہاں
میرے وہ عشق کا بیورا جو لے تھا — مرچاؔ جان کر [لے] تھا جو دے تھا
پہلے میں تیرتھوں اور جگ لیا پھر — کہیں پایا نہیں ہارا میں آخر
گیا پھر میں قطب کے پاس دوڑا — کہ جنکا ہے وطن حضرت ساڈھورا
ابو صالح قطب کے تیسرے پوت — قیس (کذا) اعظم جیو کے اولاد و سوت
جنہیں اونہوں میرے گھر ماں بتایا — اونہاں سیں میں گھروں کو پھیر آیا
ہوا بیساکھ آخر آگوتے گھر — اگرچہ اوڈ چلا تھا لاے کے پر
ارے قطبی صبح کو ہوئی میلا — صبر کر ایک شب بھر اور اکیلا

اکرم نے اس فراقیہ کو نہایت سیدھی سادھی زبان میں کہا ہے ۔ جذبات و خیالات کی ادائگی میں اسے سگھڑپنے اور خوش مذاقی سے کام نہیں لیا ہے ۔ نہ زبان کو سنوارنے اور شاعری کا ہنر دکھانے کی کوشش کی ہے ۔ جیسی اس عہد کی بولی ٹھولی تھی اور بول چال ہو آتی تھی ۔ شاعر نے اسی بولی میں اپنا مطلب ادا کر دیا ہے ۔ صوفی الفاظ کی پروا نہیں کرتے معانی کو دیکھتے ہیں ۔ ہمارے شاعر کا بھی مقصد حقیقت ہے نہ مجاز ۔ علاوہ ازیں

شمالی ہندوستان میں یہ عہد اردو کے ارتقا کی ابتدائی منزل ہے اور اس وقت حسن ادا و رنگینی بیان کی توقع کرنا خود ہماری ناسمجھی ہے۔ ہمیں اتنا یاد رکھنا چاہیئے کہ دہلی کے قرب و جوار میں جو ابتدائی ادبی کوششیں ہو رہی تھیں ان میں اکرم کا یہ زاقیہ ایک خاص امتیاز کا مستحق ہے۔ وہ ایک ایسی تالیف ہے جسکی تاریخ تصنیف اور مصنف کے وطن سے ہم واقف ہیں۔ خود شہر دہلی میں ابھی تک سناٹا ہے اور کوئی ادبی کارنامہ نظر نہیں آتا۔

میں اسوقت تیرہ ماسہ کے صرفی پہلو کے متعلق کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ اس لحاظ سے وہ بالکل محبوب عالم کی زبان کے مطابق ہے حتیٰ کہ وہ نادر شکل 'کروں' 'دہروں' جو محبوب عالم کے ہاں ہم دیکھ چکے ہیں۔ اکرم کے ہاں بھی موجود ہے مثلاً ؎

کلیجہ ہاتھ پکڑوں گھر کوں آیا   یعنے ہاتھ سے کلیجہ پکڑے ' اور یہ شکل بھی موجود ہے۔ مگر آخر میں غنہ کے ساتھ شعر

دونوں اوڑوں سوں ناگن زلف چھوڈیں   دو لائیں عنبریں کی سر پہ اوڈہیں

یعنے چھوڑے اور اوڑہے۔

فارسی عربی الفاظ میں کافی تصرفات نظر آتے ہیں یعنے نقارہ۔نگارا'۔ لرزنے کی مانی لرجا' نیزہ۔نیجا' اندیشہ۔ اندیشا' کوزہ۔کوز' شرمندہ۔شرمند' شاد۔شادا' نصیب۔نیصبی' رزائی۔رجائی' ستمگر۔ستی' شائق۔شوقی' انتظار۔انتظاری' ہجو۔ہجّو' ہے۔ نمک برزخم پاشیدن کا ترجمہ کیا ہے ع

میرے زخمیوں کے اوپر لون لایا

علاوہ بریں ریختہ کی طرز کے نامکمل فارسی جملے استعمال ہوئے ہیں مثال ع

گویا اڈی ندی از ہر کنارے

دیگر   سٹے شش ترنج دکی در ہمہ حال

دیگر   وزاں پس ایں نفک مکارہ مکری

دیگر

فراغت زین بکھا و دکھ جلن ہے

کہیں کہیں ہندی کی ضرب الامثال بھی ملتی ہیں :- (۱) ہتھیلی میں سرسوں جمانا مصرع ؎ ہتیلی بیچ سرسوں یوں جمائی (۲) ایک ہاتھ سے تالی نہیں بجتی مصرع۔ نہیں ایک ہاتھ کی تاری جو باجے (۳) پیاسا کنویں کے پاس جاتا ہے۔ کنواں پیاسے کے پاس نہیں آتا شعر

پیاسا پاس کوتے کے گیا ہے   کوا پیاسے کے پانا نہیں ایا ہے

مضمون کی طوالت کے خوف سے میں اکرم کے تیرہ ماسہ کی دیگر خصوصیات سے دستکش ہوتا ہوں اور شاہ عبدالحکیم کی طرف توجہ کرتا ہوں

شاہ عبدالحکیم

حضرت صدیق اکبر کی اولاد میں سے ایک بزرگ شیخ کمال الدین یمنی سیستان میں آکر آباد ہو گئے۔ ان سے چھٹی پشت میں شیخ قوام الدین تغلقوں کے دور میں وارد ہندوستان ہوئے۔ حضرت نظام المشائخ نظام الدین اولیا سے بیعت کی اور سند خلافت حاصل کرلی۔ دربار شاہی سے آپ کو منصب قضا سپرد ہوا اور رہتک کا علاقہ جاگیر میں مرحمت ہوا۔ آپ کے پانچ فرزند تھے۔ جن میں سب سے بڑے قاضی افتخار الدین تھے۔ ان سے چھوٹے مولانا کبیر الدین تھے۔ یہ دونو بھائی رہتک سے ترک سکونت کرکے جھم میں آبسے۔ مولانا کبیر الدین جھم کے میر عدل مقرر ہوئے اور ان کی اولاد میں خطابت و عدالت کا عہدہ موروثی ہو گیا۔ آپ سے چھٹی پشت میں شیخ محمد سلیمان ہیں جو میر عدل ہونے کے علاوہ حاکم شرع بھی تھے۔ مولانا محمد سلیمان کے پوتے مولانا سیف اللہ ہیں جنکے پوتے حضرت شاہ کمال اللہ اور شاہ لطف اللہ

ہر دو برادر ہیں۔ شاہ کمال اللہ منصب پنجہزاری پر ممتاز تھے اور لاہور میں کتابخانۂ شاہی کے کتابدار۔ آپ کی ملاقات ایک بزرگ میر ایوب بدخشی سے ہوئی ان کی باتوں کا ایسا اثر ہوا کہ منصب و ملازمت ترک کرکے اور تعلقات دنیوی سے دست بردار ہوکر میر ایوب کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ اور چھوٹے بھائی شاہ لطف اللہ کو اپنا جانشین بنا دیا۔ ۱۱۵۵ھ میں شاہ کمال اللہ انتقال فرماتے ہیں۔ حضرت شاہ کمال اللہ نے ہریانی زبان میں کوئی نہ کوئی تصنیف اپنی یادگار چھوڑی ہے لیکن ابھی تک اسکا سراغ نہیں چلتا (روضۃ الرضوان ص ۱۲-۱۶)

حضرت شاہ عبدالحکیم شاہ لطف اللہ کے فرزند اور شاہ کمال اللہ کے بھتیجے ہیں سال ولادت ۱۱۲۱ھ ہے اور تاریخی نام غلام الایوب و فیض گوہر ہے۔ جب شاہ کمال اللہ نے بھتیجے کی ولادت کا مژدہ سُنا بہت خوش ہوئے اور بچہ کو اپنے پیر کی غلامی میں منسوب کرکے اسکا تاریخی نام غلام الایوب رکھا۔ میر ایوب بدخشی نے عبدالحکیم نام دیا۔ چنانچہ آپ نے اسی نام سے شہرت پائی۔ شاہ کمال اللہ نے آپ کی تربیت کی اور سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت لے کر سند خلافت عطا فرمائی شاہ کمال اللہ کی وفات کے بعد آپ نے دنیاوی تعلقات سے ہاتھ کھینچ لیا اور گھر کے اثاثہ و نقد و جنس کو راہ خدا میں صرف کرنا شروع کیا۔ ہر بہانہ سے خلق خدا کی خدمت میں حصہ لیتے۔ ایک دفعہ ملک میں سخت قحط پڑا اور لوگ بھوکے مرنے لگے۔ آپ نے خلق اللہ کی امداد کی غرض سے ایک مکان بنوانا شروع کیا دن کو جسقدر مکان طیار ہوتا آپ کوئی نہ کوئی نقص نکال کر رات کے وقت اسکو گرا دیتے۔ اس بہانہ سے ایک عرصہ تک محتاجوں اور ناداروں کی امداد کرتے رہے ۱۱۵۵ھ میں آپ حضرت خواجہ عبدالباری روحی مدنی کے مرید ہوئے اور ۲۰ جمادی الثانی کو دوشنبہ کے دن [illegible] میں بعارضہ بخار انتقال فرمایا اور اپنے والد شاہ

لطف اللہ کے پائیں اندرون مقبرہ زیر حویلی واقع جہم دفن ہوئے (روضۃ الرضوان ص ۲۶-۲۸)
آپ کی تمام تصانیف کا پتہ نہیں چلتا مگر جنکے نام معلوم ہیں یہ ہیں:-
(۱) نسخۂ کمال الوبی جس میں حضرت شاہ کمال اللہ اور ان کے مرشد میر ایوب بدخشی کے حالات و مقالات درج ہیں (۲) رسالۂ علم الفرائض بزبان فارسی۔
(۳) خواب نامہ بزبان ہریانہ (۴) جہیز نامہ بزبان ہریانہ۔ ان کے علاوہ دیگر متفرق نظمیں جو حضرت غوث الثقلین و دیگر بزرگان دین کی مدح میں لکھی ہیں۔
ہمیں یہاں خواب نامہ اور جہیز نامہ سے تعلق ہے۔

خواب نامۂ پیغمبر

فہرست کتبخانۂ اودھ میں اسپرنگر نے اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔ اور محمد جیون کی تصنیف مانا ہے (فہرست ص ۶۱۶) لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ میرے پاس مختلف شہادتیں ہیں جنکی رو سے یہ کتاب شاہ عبدالحکیم کی تصنیف قرار پاتی ہے۔

(۱) میرے پاس خواب نامہ کا جو نسخہ ہے اس کے خاتمہ میں عبارت ذیل درج ہے۔

"این کتاب خواب نامۂ صلی اللہ علیہ وسلم من تصنیف مقبول رب الکریم شاہ عبدالحکیم بتاریخ یازدہم ذیقعد ۱۲۷۹ھ بدستخط زشت منطبدہ پراگندہ عاصی پر معاصی احقر العباد من عباد اللہ شیخ عنایت اللہ ولد شیخ حافظ امام بخش متوطن دہلی در شہر رہتک صورت اتمام یافت"

[illegible] عنایت اللہ اسے شاہ صاحب کی تصنیف مانتا ہے۔

(۲) [illegible] روضۃ الرضوان موسوم بہ تذکرۃ الرمضان میں خواب نامہ و جہیز نامہ حضرت شاہ عبدالحکیم کی مصنفات میں شمار ہوئے ہیں (ص ۲۸) شاہ محمد رمضان شاہ عبدالحکیم کے پوتے [illegible] تذکرہ نگار کہ اسی خاندان کے ایک فرد ہیں۔ شاہ عبدالحکیم کے حالات و

مصنفات کا صحیح علم ہو سکتا ہے۔

(۳) لیکن سب سے اہم وہ شہادت ہے جو اصل رسالہ یعنے خواب نامہ میں درج ہے۔ اس میں مرقوم ہے کہ یہ کہانی اصل میں نقیر رومی نے بزبان فارسی لکھی تھی اور عبدالحکیم نے اس کی ہندی کر دی ہے چنانچہ

یہ کہانی خوش کہی رومی فقیر ــــ کرم اپنے سیں توں انکا دستگیر
فارسی ماں تھی کہانی یہ کہی ــــ ہندوی میں چاہتا اوسکی بہی
ہندوی اسکی کری عبدالحکیم ــــ کرم کر اپنا تو اس پر اے کریم

اس شہادت کی بنا پر ہم اسے شاہ عبدالحکیم کی تصنیف مانتے ہیں

خواب نامہ کل آٹھ صفحہ کا رسالہ ہے جس میں فی صفحہ اٹھارہ سطریں ہیں۔ اس کا افتتاحی شعر ہے ؎

شکر حق کہتا ہوں پہلی بات ماں ــــ شرم میری راکھیو ہر بات ماں

خاتمہ کا شعر یہ ہے ؎

پیار سیں رہ اسے بندہ سب خلق سیں ــــ پیار کرتا ہے خدا سب خلق سیں

خواب نامہ نیم مذہبی ادبیات سے تعلق رکھتا ہے۔ اس میں جناب رسالت مآب صلعم کے ایک خواب کا بیان ہے کہ ایک شب آپ عبادت الہی کے لئے حسب معمول بیدار نہیں ہوئے اور صبح تک سوتے رہے اسپر فرمان الہی عتاب کے لہجہ میں نازل ہوا۔ آپ عالم یاس میں گھر چھوڑ کر ایک پہاڑ کے غار میں مقیم ہو گئے اور رات دن خدا کی جناب میں گریہ وزاری میں مصروف رہے مگر دریائے رحمت الہی جوش میں نہیں آیا۔ ہر چہار اصحاب رسول نے باری باری اپنی عبادات امت نبی کے گناہوں کے بخشوانے کے لئے پیش کیں مگر مقبول نہیں ہوئیں۔ آخر حضرت فاطمہ تشریف لاتی ہیں اور سر کھول کر درگاہ خداوند بے نیاز میں دعا کرتی ہیں۔ آپ کی دعا قبول ہوتی ہے اور سرور کائنات کو آپ کی امت کی بخشش کا مژدہ

پہنچتا ہے۔ آپ شاداں و فرحاں واپس اپنے گھر تشریف لاتے ہیں۔ اس کہانی کے واسطے مصنف نے لکھا ہے کہ درویش روم نے اسے فارسی زبان میں لکھا تھا۔ بظاہر اس سے مراد مولانائے روم ہیں۔ میں نے اصل ماخذ کی تلاش میں مثنوی معنوی پر سرسری نظر ڈالی۔ لیکن ایسی کوئی حکایت نظر نہیں آئی جو خواب نامہ کی اصل قرار دی جا سکے۔ میرے پیش نظر نولکشور کی مطبوعہ مثنوی تھی۔

خواب نامہ کی زبان محبوب عالم و اکرم کی زبان کے مقابلہ میں نہایت سہل اور آسان ہے۔ اس میں ٹھیٹ ہندی الفاظ بہت کم لائے گئے ہیں اور زبان اس عہد کی اردو کے نہایت قریب آگئی ہے۔ اگرچہ ہریانی کی اکثر خصوصیات موجود ہیں۔ فعل مضارع و مستقبل میں جمع غائب کا فرق نمایاں ہے مثلاً مضارع سے

امتاں پیاری لگاں مجھ آپ سیں

اور مستقبل سے ؎ کس طرح چھوٹا نگے اس سیں عام خاص

اس زبان کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں الفاظ کے صحیح تلفظ کی مطلق پروا نہیں کی جاتی۔ لفظ کو توڑ مروڑ کر وزن کا تابع کر لیا جاتا ہے۔ میں اسکی ایک دو مثالیں دیتا ہوں مثال آیندہ میں بڈھے اور جوان کے لفظ زیر نظر ہیں ؎

امتاں تیری بڈھے یا جواں ہوں ــــ ان عذابوں سے کبھی خالی نہوں

آنے والی مثال میں تشدید کا استعمال ملاحظہ ہو ؎

دیکھ لیا کچھ نہتوا کار گر

کہا کا استعمال ؎ کہا اے بابا ترا کیا حال ہے

ہر روز کی مثال ؎ آوتی ہے ان پہاڑوں نے ہر روز

یہاں خواب نامہ کے خاتمے سے کچھ ابیات دیے جاتے ہیں تاکہ نمونہ معلوم ہو جائے مصنف نے ان اشعار میں شیخ ابراہیم بن ادہم بلخی متوفی ۲۶۱ھ کی ایک حکایت نقل

کی ہے جو دوستی دوستان خدا کے اخلاقی پہلو پر روشنی ڈالتی ہے ؎

شاہ ابراہیم ادہم ایک رات دن — تھا خدا کی یاد میں سب جان تن
دیکھتا کیا ہے فرشتہ ہے کھڑا — لکھتا ہے کاغذ کے اوپر کچھ کھڑا
پوچھا کیا کرنے گیا کچھ کام توں؟ — جب فرشتہ نے کہا بتلای دوں
نام اوسکے دوستوں کا میں لکھا — کیا نبی اصحاب اور کیا اولیا
جب کہا میرا بھی اس میں نام ہے — کہا کچھ نا نہ ہے نہ تھا تو نہ گانو ہے
رو پڑا ادہم جو ایسی بات سوں — کہا حق آگے جو لپنے دھیان سوں
جو نہیں ہے نام میرا اے خدا — دوستوں کی دوستی ماں رکھ سدا
دوستوں کی دوستی مجھ دل سے ہے — بات میری سا نچہ ہے توں مان لے
حکم حق آیا فرشتے کوں تبھی — نام اسکا لکھ سرے پر توں ابھی
جو کوئی ہے دوست میرے دوست کا — دوست ہے جو دوستا ہووے دوست کا
دوست میرا جانکر کر دوستی — میں بھی رکھتا ہوں اسی سیں دوستی
پیار سیں رہ اے بندہ سب خلق سیں — پیار کرتا ہے خدا سب خلق سیں

شاہ غلام جیلانی رہتکی

شاہ عبدالحکیم کے حالات میں شیخ قوام الدین اوران کے دو فرزند قاضی افتخار الدین اور مولانا کبیر الدین کا ذکر اس سے پیشتر آچکا ہے۔ شاہ غلام جیلانی قاضی افتخار الدین کی اولاد سے ہیں۔ قاضی صاحب کے فرزند شیخ عماد الدین قصبۂ مہم میں قاضی و مفتی و محتسب تھے ان کے بعد یہ عہدہ ان کے خاندان میں موروثی رہا۔ شاہ غلام جیلانی کے والد شاہ بدر الدین المشتہر بہ ادھ شاہ پہلے شخص ہیں جو مسند قضا ترک کرکے معرفت و سلوک کے سجادہ پر قدم رکھتے ہیں اور احتساب خلق سے منہ موڑ کر احتساب نفس میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ یہ

خاندان قدیم سے ہریانہ میں دینی برکات و علمی روایات کا علمبردار رہا ہے۔

شاہ غلام جیلانی کا سال ولادت ۱۱۶۵ھ ہے۔ آپ ابھی خورد سال ہی تھے کہ آپ کی والدہ ماجدہ انتقال فرما گئیں۔ اس واقعہ کے بعد آپ اپنے ماموں کے پاس پورب چلے گئے اور وہیں تعلیم و تربیت پائی۔ ماموں بڑے امیر تھے انہوں نے نہایت محبت سے ان کی پرورش کی اور جب بڑے ہوئے اکی قابلیت اور تدبر کو دیکھ کر انہیں اپنا نائب بنا دیا اور جاگیر و فوج کا سارا کام سپرد کر دیا۔ لیکن شاہ صاحب نے اسوقت بھی اپنے پدر بزرگوار کی روایات کو قائم رکھا یعنے وزرات عبادت الہی میں مصروف رہتے چنانچہ دوستوں نے آپ کا نام قطب رکھ دیا۔ جب ماموں کا انتقال ہو گیا۔ آپ چار پلٹنوں کے افسر بنا دیے گئے۔ آخر وہ وقت آیا جب آپ تعلقات دنیوی سے تنگ آگئے اور ملازمت سے استعفا دے کر واپس وطن چلے آئے اور بہت جلد بعد والد ماجد سے خرقۂ فقر حاصل کر لیا۔ اس کے علاوہ دیگر بزرگوں سے بھی اجازت نامے حاصل کئے۔ ۱۲۰۵ھ میں والد کے انتقال کے بعد آپ حرمین شریفین تشریف لے گئے۔ اور حج و زیارات سے مشرف ہو کر مع الخیر وطن آگئے۔ آپکا دوسرا سفر بغداد و کربلائے معلی تک ہوا اور بعد واپسی وطن ہدایت خلق اللہ میں مشغول ہو گئے [illegible]ھ میں بخار و درد شکم میں مبتلا ہو کر سترھویں شوال کو جمعہ کے دن وفات پائی۔

فارسی و ہندی میں متعدد تصنیفات آپ کی یادگار ہیں۔ بعض کے اسماء ذیل میں درج ہیں:-

(۱) لطائف السلوک۔ یہ تصوف کا ایک رسالہ ہے (۲) شرح فارسی چوپائیہا۔ ہندی دوہوں یا بامیوں کی شرح ہے اور چھپ چکی ہے (۳) اسناد الاشجار۔ جن سلسلوں میں آپ کو نسبتیں تھیں ان کے شجرے ہیں۔ ۱۲۲۰ھ کی تالیف ہے (۴) رسالۂ طریق الہدی (۵) [illegible] امال الامراض (۶) اثبات وحدت الوجود (۷) رسالۂ واجب ممکن۔ (۸) [illegible] السالکین (۹) اس کے علاوہ پارۂ عم کی مختلف سورتوں کی تفسیریں بھی

لکھی تھیں۔

ان تالیفات سے ظاہر ہے کہ آپ کا وقت دینی خدمت گذاری بالخصوص تلقین و تعلیم تصوف میں صرف ہوا ہے۔ ہم کو ان کے باقی کارناموں سے قطع نظر کر کے جو اکثر فارسی میں ہیں۔ یہاں انکی ہندی چوپائیوں کا تبصرہ منظور ہے جو لسانی حیثیت سے براہ راست ہمارے موضوع سے وابستہ ہیں۔ یہ چوپائیاں ٹھیٹ ہریانی زبان میں لکھی گئی ہیں۔ اور فن کی رو سے ان پر نظر ڈالتے ہوئے بلا تامل کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک بلند پایہ شاعری کی حامل ہیں۔ ہندوستان میں ہندی گو شعرا کے طبقہ میں ایسے پاکیزہ خیالات و شریف جذبات کے ترجمان بہت کم شعرا ہوئے ہیں۔ کبیر اور بلھے شاہ کے ساتھ ان کا نام بھی لیا جا سکتا ہے۔

موضوع کے لحاظ سے یہ رباعیاں طالب صادق کے لئے درس تلقین ہیں جن میں طلب مرشد کامل۔ تجرید و تفرید۔ طلب صادق۔ عشق کامل۔ استغراق و محویت و دیگر مراتب عرفاں کے متعلق ہدایات دی گئی ہیں۔ مگر ان میں ایسا عنصر بھی موجود ہے جس سے عوام بھی متمتع ہو سکتے ہیں۔ ان رباعیوں کی امتیازی شان یہ ہے کہ ان کا آخری مصرع بالعموم کسی نہ کسی ضرب المثل پر آ کر ختم ہوتا ہے۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ ایجاز و اختصار کی بہترین مثال ہیں۔ اور اسی لئے مصنف کو انکی شرح کی ضرورت محسوس ہوئی جسکا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ سنہ ۱۳۱۶ھ میں انور رہتکی نے انکی اردو شرح موسوم بہ قانون سلوک لکھی ہے اور یہ شرح میرے پیش نظر ہے۔

رباعیوں کا نمونہ دیتے وقت میں مناسب سمجھتا ہوں کہ پہلے ہر رباعی کا مختصر سا مطلب بیان کر دیا جائے اور بعد میں اصل رباعی نقل کر دی جائے تاکہ ان کے مطالب کے سمجھنے میں دقت نہ ہو۔

دنیا کی مذمت:۔ کہتے ہیں کہ اس دنیا پر کون اعتماد کر سکتا ہے۔ جب دیکھا جاتا

ہے کہ ہمیں اس سے کیا نفع حاصل ہوا تو نتیجہ صفر نکلتا ہے۔ وہ صرف نمائش اور دکھاوے کے ہے لیکن ہر حال میں بے فیض۔ ٹیسو کو دیکھتے نہیں جب پھولتا ہے کس قدر خوش آیند اور خوش نما نظر آتا ہے۔ مگر ہمیشہ بے ثمر ہے۔ بالفاظ دیگر دنیا دیکھنے کی ہے۔ برتنے کی نہیں۔

ایسے جگ کو کو پتیاوے	جب ڈھونڈے جب کچھو نہ پاوے
دیکھن کا پرنت ہے اوت	کیسو پھولے سدا نپوت

ترغیب عمل:۔ جو کچھ کرنا ہے ابھی کر لو تمہیں موقعہ حاصل ہے۔ اگر موقعہ کھو دیا تو کف افسوس ملتے رہوگے۔ زمانہ تمہاری عمر عزیز کو لحظہ بہ لحظہ اور دمبدم گھٹاتا جا رہا ہے۔ یاد رکھو جب کولھو کٹتا ہے تو اس کی موگری بنا کرتی ہے۔ کولھو سے رس اور تیل طیار کیا جاتا ہے۔ اس سے مراد استطاعت عمل نیک ہے۔ موگری سے خالی کھونٹیاں ٹھوکی جاتی ہیں۔ اس میں اشارہ ہے سر پیٹنے اور افسوس کرنے کی طرف۔ یعنے اگر نیک عمل کا وقت کھو دیا تو سر پیٹنا اور افسوس کرنا پڑیگا۔ کہتے ہیں:۔

کر لے جو کچھ کرنا ہو	پھر ترا پچھتانا ہو
یہ جگ تیرا چھن چھن چھنے	کولھو کٹے اور موگری بنے

اعمال نیک و بد:۔ تمہارے اعمال اگر نیک ہیں تو بہشت مقام ہے۔ اگر برے ہیں تو دوزخ ٹھکانہ ہے۔ جیسا بوؤگے ویسا کاٹوگے۔ نیک عمل کو آفرین اور بدعمل کو پھٹکار ہے۔

بھلی کرے تو سُرگ بساوے	پونجی بری نرگ لیجاوے
جیسا بووے ویسا لے	دہری بجے اور پاپی چھپے

اصلی اور نقلی پیر:۔ جب شہر عشق کی گدڑی بگڑ گئی کم مایہ بنئے سیٹھ بن بیٹھے اور پونجی سے دکان آرائی کی۔ وہی مثل صادق آئی کہ اندھوں میں کانا راجا۔

جب پیم نگر کی اوجڑی پینٹھ　　سگرے بنئے ہو گئے سیٹھ
اوچھی پونجی ہوا بناؤ　　اندھوں بھیتر کانا راؤ

ہادی کی ضرورت :- سالک کو تنہا جانے میں بھٹک جانے کا خطرہ ہے۔ نابینا تنہا جاتا ہے اور گر پڑتا ہے ۔ لغزشوں اور غلط رویوں کے بعد رہبر کامل تلاش کر ۔ ٹوٹی گاڑی تو بڑھی کے دروازہ پر ہی لائی جاتی ہے ۔

آپ چلے تو بچلا چلے　　اندھا دوڑے گر گر پڑے
بھول بھٹک کے گرو سنوار　　گاڑی ٹوٹی کھاتی دُوار

جھوٹے پیروں کی مذمت :- فرماتے ہیں کہ شیخ فانی نام رکھا کر پیر بنے ہیں۔ مرید بناتے ہیں اور انہیں بہکاتے ہیں۔ زبانی جمع خرچ سے راہ معرفت طے کرانے کے مدعی ہیں اور عمل میں پیادہ ہیں ۔ ان پیروں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی اناڑی نائی ہو اور بچہ کا سر چھیل کر رکھ دے ۔

ناؤں رکھا کر گرو کہاوے　　چیلے پکڑے اور بہکاوے
جوگ کا مارگ باتوں کیلے　　اناڑی نائی سر کو چھیلے

شغل عبادت اور مرشد کی طلب :- جب تک شیخ کامل ملے بیکار نہ ہو اپنا وقت عبادت الٰہی میں گذارو ۔ دیکھتے نہیں بنیا خالی نہیں بیٹھتا اور کچھ نہیں تو باٹ ہی تولتا رہتا ہے ۔

جب لگ گرو سے بھینٹ نہو　　دنرات سکھ سے مت سو
کچھ تو کر مورے بیتا پیارے　　ٹھالا بنیا باٹ ہی باڑے

پیر کے ارشادات میں تساہل :- جب ہادی کامل مل جائے ۔ لازم ہے کہ اسکے ارشاد و تلقین پر مستعدی سے کاربند رہو ۔ ایسا نہو کہ اسکی ہدایات پر تساہل سے کام لو ورنہ بدنصیب رہو گے ۔

جب لگ نہو گرو کا ساتھ　　کیسے پاوے ہر کی بات
گر پاوے اور ہو سیلا　　کم بختی کا آٹا گیلا

اسی بحث کو جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ شیخ کی ہدایت کو دل کے کانوں سے سنو اور غور کے ساتھ ان پر عمل پیرا ہو ۔ اگر وہ بال رنگنے کا حکم دے تو بال رنگ لو ۔ قاعدہ ہے کہ انسان جس ملک میں جاتا ہے ۔ اسی ملک کے اوضاع و اطوار اختیار کر لیتا ہے ۔ خواجہ حافظ فرماتے ہیں ؎

بے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید　　کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

کہتے ہیں ؎

گرو کے بینں جی سے سن　　ہردے چھن چھن پورا گن
اس کے کہنے رنگ لے کیس　　جیسا دیس ویسا بھیس

نفس امارہ :- تمہارے اندر ایک چور ہے جیسے بنے اسکا زور توڑو ۔ جب اسکا زور ٹوٹے گا تب راہ راست پر آئیگا ۔ مال حرام حرام میں جائے گا

ایک ہے تیرے اندر چور　　جہاں ملے بل اس کا توڑ
ٹوٹے جب وہ سیدھا بجا　　پاپی مال پرا پت جا

خصائل ذمیمہ :- دشمنان باطنی یعنے حرص و شہوت و غضب وغیرہ تعداد میں بے شمار ہیں اور سب تیری مخالفت میں متحد ہیں ۔ ان سے اسی وقت امن میں رہیگا جب انہیں سولی دے دیجائے ۔ یہ سب رہزن ہیں اور سب کی ایک زبان ہے

گھٹ کے بیری گنے نجان　　کام پڑے پر سب مل جاں
بچے جبھی جب دیوے سولی　　چوروں ٹولی ایک ہی بولی

صفات مذمومہ کا علاج ریاضت ہے :- یہ باطنی دشمن جھوٹی باتیں بنا بنا کر تجھے برباد کرتے ہیں اور تیرے قلب کو ورغلاتے ہیں ۔ ریاضت کر اور انہیں دولت

پرلا ۔ مار کے آگے بھوت بھاگتا ہے

جھوٹی باتیں تجھکو کھووہیں   اندر تیرے سب مل موہیں
کشٹ کرے تو ہوجاں سانچے   مار کے آگے بھتنا ناچے

ریاضت و مجاہدہ :۔ مجاہدہ کے بغیر راہ معرفت نہیں ملتی اور اتنا چل کہ اہل قافلہ سے جا ملے ۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ اضافت افعال کی جواب بتقاضائے انانیت اپنی طرف کر رہا ہے ترک کردے اور توفیق الٰہی شامل حال ہو۔

بن کشٹ نہ مارگ ملے   یہاں تک چل جو سنگ جا رلے
پوگے تب جب کر تب چھوٹے   بی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹے

طلب صادق :۔ راہ خدا میں طلب صادق ضروری ہے ۔ ناداں دوڑے گا ۔ اور گرے گا ۔ حصول مراد میں دیر لگنے سے مت گھبرا اور صبر سے کام لے ۔ ہر چیز اپنے اپنے وقت پر ہوتی ہے ۔ پہلے کودوں ہوتی ہے اور پھر دھان ۔

محبت میں اچھا نہیں دوڑ چلنا   جو آگے بڑھے ہیں وہ پیچھے رہے ہیں
پوری دھن کا پوری کرے   مورکھ دوڑے گر گر پڑے
دن بہتن کامت کر گیاں   پہلے کودوں پاچھے دھان

دل بیار و دست بکار :۔ مراقبہ کرو اور توجہ الی اللہ سے کام لو اور عشق الٰہی کی شراب پیتے رہو ۔ آہستہ آہستہ تمہاری رسائی ہوگی ۔ بے صبر مت بنو ۔ تیل اور تیل کی دھار دیکھو ۔

ہر سے گیان لگا اور جی   مدھوا اسکا چپ چپ پی
دھیرج دھیرج پاوے پار   دیکھ تیل تیں کی دھار

عبادت کی غرض و غایت :۔ کہتے ہیں عبادت کا مقصد قرب الی اللہ ہونا چاہئے نہ نعیم جنت ۔ بہشت کے لئے عبادت عاشق صادق کے نزدیک جہنم سے بدتر ہے

طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ   دوزخ میں ڈالدے کوئی لیکر بہشت کو

جنت کے واسطے ترک دنیا ایسا ہے جیسے کوئی شخص دنبہ دیکر مینڈھا لے ۔ ایسا شخص عشق حقیقی کے ذوق سے ناآشنا ہے خود ناقص ہے اور دوسروں پر نکتہ چینی کرتا ہے ۔

ہر کو بھجے اور مانگے سُرگ   برہی جانے اس کو نرگ
چھوڑے دنبہ لیوے مینڈھا   ناچ نچانے آنگن ٹیڑھا

عبادت خالص :۔ عبادت میں سالک کے لئے خلوص شرط ہے ۔ وصال حق اور قرب جنت دو مختلف راستے ہیں ۔ دورنگی چھوڑو یکرنگ ہو جاؤ ورنہ تمہاری وہی کیفیت ہوگی جو دھوبی کے کتے کی ہے ۔ گھر کا ہے اور نہ گھاٹ کا ۔

ایک رنگ ہو پی کن چلے   دھیرے دھیرے ہر سے ملے
دبدھا میں من جاوے پھاٹ   دھوبی کا کتا گھر نہ گھاٹ

سالک کی راہ میں دشواریاں :۔ وصول الی اللہ کا راستہ آسان نہیں ہے ۔ اسکی منزلیں کٹھن ہیں ۔ جب منزل مقصود پر پہنچ جاؤ تب جانو کہ فائز المرام ہوئے ۔ ورنہ اس راہ میں قدم قدم پر دشواریاں حائل ہیں اور خطرہ سامنے کھڑا ہے ۔ ان منازل میں اکثر ایسا ہوا ہے کہ اونٹ چڑھے مسافر کو کتا کاٹ لیتا ہے ۔ آپ لوگوں کو مرزا غالب کا شعر یاد ہوگا ؎

دام ہر موج میں ہے حلقۂ صد کام نہنگ   دیکھیں کیا گذرے ہے قطرہ پہ گہر ہونے تک

لیکن شاہ صاحب کہتے ہیں

ہر کو مارگ ہے سنجان   پوری پڑے تب لاگے دھیان
تن پر ڈرے گھاتے باتے   اونٹ چڑھے بھی کتا کاٹے

بے پروا استغراق :۔ جو شخص عشق الٰہی میں غرق ہے وہ ماسوے اللہ سے بے تعلق ہو جاتا ہے ۔ نہ اسپر کسی کی تعریف کا اثر ہوتا ہے نہ تنقیص کا ۔ وہ اپنے حال میں مست

بہے نہ ساون سوکھا اور نہ بھادوں ہرا

جس کی دھن ہر ساتھ لگے　　　پھر وہ سب سے ٹوٹ رہے
ناں کبھی چکنا ناں کبھی روکھا　　　ساون ہرا نہ بھادوں سوکھا

محویت حقیقی:- جب محبوب کی دھن ہے تو پھر زمانہ کے گرم و سرد راحت و غم کی تمیز باقی نہیں رہنی چاہیئے - جب ناچنے نکلے ہو تو پھر حیا کیسی

جب دھن لاگی پیے کے سنگ　　　تتا سیلا ایک ہی رنگ
پھر کیا سوجھے ایسا ویسا　　　ناچن نکلی گھونگٹ کیسا

اب ہم چوپائیوں سے رخصت ہو کر اور امور کی طرف توجہ کرتے ہیں - بدقسمتی سے یہ مضمون اس قسط میں ختم نہیں ہوا اور مواد اسقدر موجود ہے کہ ایک اور قسط کے لئے کافی ہے مگر بخوف طوالت آج اسی پر اکتفا کی جاتی ہے - البتہ یہاں مختصراً ان اہل قلم کا ذکر کر دیا جاتا ہے جو اس مضمون میں شامل ہونے سے رہ گئے ہیں - ان میں سب سے زیادہ معروف اور محترم شخصیت شاہ محمد رمضان شہید کی ہے - وہ ہریانہ دیس کے صحیح معنےٰ میں مصلح اور ہادی ہیں - انکی عملی زندگی کے کئی پہلو ہیں یعنے فقہی - روحانی - اصلاحی اور ادبی - آخر الذکر حیثیت کی تفصیل کے لئے علیحدہ مضمون کی ضرورت ہے - میں یہاں انکی ہریانی زبان میں تالیفات کے نام درج کرتا ہوں -

(۱) آخر گت - قیامت نامہ کی طرز کی مثنوی ہے - ۱۲۲۱ھ اسکا سال تصنیف ہے جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے - مولوی محمد ساکن لکھوکی نے اس کا ترجمہ با اضافہ بعض مضامین پنجابی زبان میں کیا ہے اور احوال الآخرۃ نام رکھا ہے - آخر گت ۱۸۸۵ء میں مطبع نامی دہلی میں چھپی تھی -

(۲) بلبل باغ محمد - ۱۲۲۶ھ کی تالیف ہے - اس مثنوی میں چہل حدیث قدسی و نود و نہ اسمای باری تعالےٰ کے معانی اور دیگر نکات مفیدہ درج ہیں -

(۳) رنگیلی - ہندی بحر میں ایک چھوٹا سا رسالہ ہے - جس میں اہل معرفت کے لئے ہدایات ہیں -

(۴) عقائد عظیم - مذہبی مسائل پر ایک تالیف ہے جو چھپ بھی گئی ہے ،

(۵) نصیحت نامہ - بچوں کے لئے اخلاقی کتاب ہے - (۶) وصیت نامہ

امام بخش تھانیسری - تھانیسری تخلص ہے اور مختلف منظوم دینی رسالوں کے مصنف ہیں -

نوابان جھجر کے دور میں ایک شاعر شیخ غلام نبی نارنولی ہیں وہ نواب فیض محمد خاں ۱۸۱۴ء و ۱۸۳۵ء کی سرکار میں بمشاہرہ ۵۰ روپیہ ماہوار ملازم تھے - اور ٹپہ - ٹھمری - بارہ ماسہ - خیال و کبت میں مہارت رکھتے تھے - شیخ نے راگ مالا بزبان ہندی لکھی ہے (تاریخ جھجر صفحہ ۲۱۳، ۱۸۶۶ء) -

اسی عہد میں مہم میں ایک اور بزرگ غلام حسین چشتی ہیں - ہریانی زبان میں ایک راگ مالا انکی یادگار ہے اور دھمی تخلص ہے - پیرزادہ محمد حنیف کی بیاض سے یہاں ان کے کلام کا نمونہ دیتا ہوں (ایک ہندی عورت کا گیت)

برج رہا سارا دیس - ری میں ایک نہ مانی ، ساس بھتیرا میں سمجھائی - دیور - اُتاری - پاگ ری

سسرا چھوہ کیا بھتیرا - جیٹھ اُٹھائی سانگ ری ، میں ایک نہ مانی

نند بھاوج کی لاج گنوائی - سیندھک کھولی مانگ ری ، گلی گلی میں ناچن لاگی - ایسی لائی لاج ری ،

میں ایک نہ مانی ،

پنڈت پوچھت سگن مناوت - ہتھا اڑاوت کاگ ری ، ان پاپی نے ایسی کینی ، نین لگا گیو بھاگ ری ، برج رہا سارا دیس ،

ہریانی زبان میں گیت بھی کثرت سے ملتے ہیں - بعض ان میں سے تاریخی دلچسپی کے ہیں اور واقعات عصری پر روشنی ڈالتے ہیں - میں یہاں اسی قسم کا ایک گیت سناتا ہوں

جو مسٹر ولیم فریزر اور سرون سے متعلق ہے۔ یہ صاحب دہلی کے ریزیڈنٹ تھے اور ۱۸۳۵ء میں قتل کئے گئے۔ یہ قتل سیاسی نہیں تھا۔ اور شاعر مشہور نواب مرزا خان داغ دہلوی کے والد نواب شمس الدین خاں والی فیروز پور جھرکا اس قتل کے سلسلہ میں ماخوذ ہوئے۔ اور پھانسی کی سزا پائی۔ یہ گیت ہر حال میں ۱۸۳۵ء سے قبل جوڑا گیا ہوگا۔

سرون

دُھر کلکتہ سے چلا فریزن۔ پانچوں پیر مناے۔ رب جانے پانچوں پیر مناے

پانچ مقام دلّی میں کر کے۔ چھٹا گنگا نے گاؤں۔ تیرا مریو۔ چھٹا

دھوے کنویں پر تنبو تانا۔ سرون ملتی ناہ۔ رب جانے سرون ملتی، گلی گلی چپڑاسی پھر گئے

گھر گھر تھانہ دار۔ ترا مریو تھانے دار،

کہے فریزن گام سے رہے۔ سن لے سارا گام۔ ترا مریو سارا گام، جو کوئی سرون بھال لگاوے

ہاتھی دوں انعام۔ رب جانے ہاتی دوں انعام،

کسی بیری۔ نے بھال لگائی۔ سرون کھیت کو جائے۔ رب جانے،

سر پہ چھیڑا ہاتھ میں درانتی۔ باجرہ کاٹن جاے۔ ترا مریو،

باجرہ کاٹتی۔ سرون پکڑی۔ دراتی ڈھونگے۔ ماہ۔ ترا مریو،

سرون رو رو گال سناوے۔ ہنس ہنس ٹالے تھانہ دار۔ ترا مریو،

ہاتھ ماں پیلوا۔ بیلیے میں کنگھی۔ سیس گندھاون جاے۔ رب جانے،

ایسا تو سر میرا گوندہ نائی کے۔ سانپ لہریے کھا سے۔ ترا مریو،

نایاں کے گھر سرون بیٹھی۔ باہر پکارے تھانہ دار،

سرون رو رو گال سناوے ہنس ہنس "ٹالے تھانہ دار،

اتنا سلنا گوندہ لے رے نائی کے۔ ٹھاڈا لیو جای۔ ترا مریو،

ملنا ہے قول رے نائی کے۔ پھر کیا ہو، نرباہ،

بھائی بھیناں۔ سب قول لئے۔ اب چند ملنا ناہ،

گام گنگانہ سو بنو بسیو۔ امیچند اوتا جا۔ ترا مریو

دھرتی کا بیٹھنا۔ چھوڑ دے ری سرون۔ مونڈھے کا بیٹھنا لے۔ ترا مریو

اوڑھنی کا اوڑھنا۔ چھوڑ دے ری سرون ٹوپی کا پہننا لے

گھگرا۔ آنگی پہرنا۔ چھوڑ دے ری سرون۔ سایہ کا پہر نا لے،

چبکا بیٹھنا چھوڑ دے ری سرون۔ گانا بجانا لے

سرم لاج کو چھوڑ دے ری سرون ہاتھ ملانا سیکھ (از بیاض پیرزادہ محمد حنیف)

ان دو اقساط میں میں نے ہریانی زبان کے متعدد مصنفین کا ذکر کیا ہے جو در حقیقت مشتے نمونہ از خروارے واندکے از بسیارے کے مصداق ہیں۔ یہ امر بدیہی ہے کہ اس زبان میں اورنگزیب عالمگیر کے ابتدائے جلوس سے تصنیف و تالیف کا سلسلہ برابر جاری رہا ہے۔ یہاں یہ دعوے نہیں کیا جاتا کہ ہم نے اس زبان کی تمام تالیفات کا جائزہ لے لیا ہے۔ کیونکہ عہد قدیم کی مصنفات کا اکثر حصہ ضایع ہو گیا ہے اور آج اس ذخیرہ کی بہت قلیل مقدار باقی ہے مگر جو کچھ باقی ہے اس تک بھی ہماری رسائی مشکل ہے تاہم اس تبصرہ سے اتنا ضرور روشن ہے کہ اس علاقہ میں ادبی تحریک گذشتہ ڈھائی سو برس سے سرگرم کار ہے۔ اس علم کے ساتھ جب ہم سرکاری رپورٹ و دیگر محققین ہریانی کے بیانات پڑھتے ہیں کہ اس زبان میں کوئی لٹریچر نہیں تو ہمیں سخت تعجب ہوتا ہے۔ اصل حالات سے یہ بےخبری ہمیں مشہور ضرب المثل "چراغ تلے اندھیرا" کی یاد دلاتی ہے اور بدگمانی کو یہ کہنے کا موقعہ ملتا ہے کہ جسطرح دیگر زبانوں میں

سرون کے بھائی کا نام ہے،

رہتک گزیٹیر صٹ ۹ و پیمایش لسانی از سر جارج گریرسن جلد نہم صٹ ۹۶-۹۷،

مسلمانی ذہنی کارناموں کے ساتھ تجاہل عارفانہ کا سلوک روا رکھا گیا ہے۔ ہریانی کے میدان میں بھی اسی ضابطۂ رائج الوقت پر عمل درآمد کی گئی ہے۔ بہرحال ہریانی زبان کے لٹریچر سے ہمیں اس اردو کے مطالعہ کا نادر موقع ملتا ہے جو گیارھویں صدی ہجری میں شمالی ہندوستان میں رائج تھی اور جسکے قدیم نمونے ہریانی میں محفوظ ہیں ؛

محمود شیرانی

تاریخ رزمیاتِ ایران

(بہ سلسلۂ اشاعت گذشتہ)

۴۶۔ شاہنامے کا اندازِ عبارت

شاہنامے میں جملوں کی باہمی ترکیب زیادہ سادہ ہے اور حقیقت میں سادگی بیان بھی اسی کی متقضی ہے، بڑے بڑے جملے شاذ ہیں اور کہیں ہیں بھی تو ان کی بناوٹ تقریباً ہمیشہ آسان ہوتی ہے، ایک جملہ عموماً ایک شعر پر مشتمل ہوتا ہے اور بسا اوقات فقط ایک مصرعہ ہی پر تمام ہو جاتا ہے، پہلے مصرع کے قافیہ پر اکثر جملے کا ایک حصہ قطع ہو جاتا ہے، ایک مصرع سے کم کا جملہ بہت شاذ و نادر ہوتا ہے اور جو کہیں کہیں آ بھی جاتا ہے تو اپنی برجستگی اور تاثیر میں بے نظیر ہوتا ہے مثلاً ؏

جہان خواستی یافتی خون مریز[1]

(شاہنامہ فولرس ص ۹۰)

---

[1] ریوکرٹ بھی باوجود اپنی قادر الکلامی کے اس مصرعے کا ترجمہ ایک مصرعے میں نہیں کر سکے،

باایں ہمہ ہم کو بہت سی جگہوں پر اشعار کے مسلسل قطعات بھی ملتے ہیں لیکن بحر کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے ایسے موقع پر اکثر دفعہ مطالب کو سمجھنے میں دقت ہوتی ہے۔ خصوصاً مکالمات میں یا خطوط کے مضامین میں اور مباحث میں، ایک مزید دقت یہ ہے کہ فارسی زبان میں حروف عطف اور اسی قسم کے اور چھوٹے چھوٹے الفاظ جنکی مدد سے خیالات کا باہمی ربط سمجھ میں آتا ہے بہت کم استعمال ہوتے ہیں[1] اور پھر حروف استفہام اور اسمائے موصول میں سے جو زیادہ ضروری ہیں مثلاً "کہ"، "کجا"، "چوں"، "چو"، وغیرہ ان میں سے ہر ایک کے کئی کئی مفہوم ہیں، لفظ "مگر" کی بھی یہی حالت ہے، علاوہ اس کے اگرچہ فارسی میں مخصوص حروف شرط موجود ہیں (مثلاً "اگرچہ"، "ہرگاہ"، "ہرچند" وغیرہ) تاہم انکی بجائے اکثر دفعہ فقط لفظ "اگر" یا "گر" استعمال ہوتا ہے، پھر بعض ایسے حروف ہیں جنکا استعمال ہماری زبان میں ضروری معلوم ہوتا ہے لیکن فارسی میں ترک کر دیے جاتے ہیں مثلاً "ہی" یا "بھی" ؎

بسی بر نیامد برین روزگار   کزو نام ماند از جہان یادگار

"بہت زمانہ نہیں گزرنے پایا تھا کہ اسکا فقط نام ہی دنیا میں باقی رہ گیا"

مزید برآں فارسی میں کوئی حرف تعریف[2] نہیں ہے اور بسا اوقات فقروں میں باہمی تعلق نہیں ہوتا، پھر ایک اور دقت یہ ہے کہ فارسی میں ایسے بہت سے الفاظ ہیں کہ ان میں سے ایک ایک کے کئی کئی معنی ہیں، تغیر تلفظ کی وجہ سے ایک ہی مادے کے بہت

---

[1] اس قسم کے حروف عطف یونانی میں بالخصوص بکثرت ہیں اور جرمن میں بھی کچھ کم نہیں ہیں "خود" کا شاہنامے میں بمعنی "عین" یا "ٹھیک" استعمال ہے جیسے ہم کہتے ہیں کہ "ٹھیک اسی جگہ پر جاؤ جہاں تم تھے" انگریزی میں اسکا مترادف very یا ... ہے۔ اسی طرح "خورد" "بھے" بالکل نہیں ہیں"

[2] یعنی Definite Article ،